(گزشتہ سے پیوستہ قسط ۲)

ہندستان میں فارسی ادب

از: پروفیسر سید جعفر رضا

اسی درمیان خان زماں علی خاں صوبہ دار جونپور نے غزالی کی دکن میں ناقدری کا حال سنا اور ایک ہزار روپے اور ایک قطعہ بھیج کر اپنے پاس آنے کی دعوت دی قطعہ یہ ہے:۱۸

ای غزالی بحق شاہ نجف
کہ سوی بندگان بیچون آی
چونکہ بے قدر گشتہ ای آنجا
سرخود گیر و زود بیرون آی

خان زماں خود بڑا ذی علم اور ماہر فن شعر تھا۔ اس نے اس قطعہ کے آخری مصرعے میں 'سر خود گیر' یعنی 'غزالی کا سر' یعنی غین، یعنی ایک ہزار اعداد سے صفت شعر پیدا کی ہے۔ اس دعوت کو غزالی نے قبول کرلیا اور جونپور کو اپنا مسکن بنایا۔ علی قلی خاں کی فرمائش پر اس نے مثنوی 'نقش بدیع' لکھی جو ایک ہزار اشعار پر مشتمل تھی جس کے ہر شعر پر ایک طلائی سکے کے اعتبار سے ایک ہزار سکے خان زماں نے انعام کے طور پر پیش کیے۔۱۹ لیکن خان زماں کی سرپرستی کا یہ دور زیادہ دنوں تک باقی نہ رہ سکا۔ ۱۵۶۶ء میں اکبر نے خفا ہو کر خان زمان کا سر تن سے جدا کرادیا۔ خان زماں کے دوسرے مصاحب اور درباری دربدری کا شکار ہوئے لیکن غزالی، اکبر اعظم کی نگاہوں میں چڑھ گیا اور رفتہ رفتہ دربار اکبری کے مختلف مدارج طے کرکے ملک الشعراء کے عہدے تک پہنچا۔ غزالی سلطنت مغلیہ کا پہلا ملک الشعراء ہوا۔ غزالی نہ صرف یہ کہ سلطنت مغلیہ کا پہلا ملک الشعراء ہوا بلکہ ہندستان میں مسلم مملکت کا پہلا ملک الشعراء ہوا۔۲۰ غزالی کی شعری نگارشات میں قصائد 'غزلیات، مثنویات، ترکیب بند' ترجیع بند' اور رباعیات شامل ہیں۔ غزالی کی کلیات میں کل ۵۹ قصائد ہیں جن میں حمد وثنا' نعت' منقبت' تصوف' مدح سلاطین' اور خود اپنی مدح کے مضامین شامل ہیں۔ غزالی کے قصائد غلو' اغراق' تملق اور چاپلوسی کی آلودگی سے پاک ہیں۔ غزالی کی غزلیات کی خصوصیت حمد ونعت ہے۔ اس نے شہنشاہ اکبر کی مدح میں جو غزلیں کہی ہیں وہ اپنے آپ میں کمال فن کا نمونہ ہیں۔ کلیات غزالی میں آٹھ مثنویاں شامل ہیں جن کی اپنی اپنی اہمیت ہے۔ غزالی کے نثری کارناموں میں 'اسرار مکتوم' اور 'دیباچہ' کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ 'اسرار مکتوم' میں غزالی نے تصوف اور معرفت کے مسائل سے بحث کی ہے۔ تقی اوحدی نے لکھا ہے: از منشور آتش' اسرار مکتوم' در شخصیات الحیات ومرات الکائنا تست۔"۲۲ لیکن اسرار مکتوم کے علاوہ دیگر نگارشات معدوم ہیں۔ اسی طرح کلیات غزالی میں پہلے دیوان 'گنج اکبری' کا ذکر اور اس کے نثری اقتباسات ملتے ہیں لیکن مکمل دیباچہ دستیاب نہیں۔ البتہ دیوان 'آثار وشباب' کا طویل دیباچہ دستیاب ہے جس میں غزالی اپنے بارے میں اپنی شاعری اور حالات کو بیان کرتا ہے۔

دربار اکبری کے شعراء میں سرفہرست شیخ ابو الفیض فیضی (م۔ ۱۵۹۵ء) ہے جو عہد اکبری کے مشہور عالم دین اور فلسفی شیخ مبارک ناگوری (م۔ ۱۵۹۳ء) کا بڑا بیٹا اور دربار اکبری کے وزیر اعظم شیخ ابوالفضل (م۔ ۱۶۰۲) کا بڑا بھائی تھا۔ حالانکہ اکبر نے فیضی کو ملک الشعراء کا اعزاز ۱۵۸۸ء میں غزالی مشہدی کے بعد عطا کیا اور اس کا منصب محض چار صدی تھا مگر اکبر کے مزاج میں فیضی بے انتہا دخیل تھا۔ وہ بیک وقت ادیب 'شاعر' طبیب ' ہیئت داں' فلسفی' منجم' مہندس' مفسر' محدث' فقیہ 'اور شاعری کا ماہر تھا۔ اس کے افکار وعقائد میں آزاد خیالی نمایاں تھی، اس کی طبیعت

حکیمانہ تھی۔ وہ علوم قرآنی کو عقل و دلائل کے معیار پر پرکھتا تھا جس کی بنا پر بعض قدامت پسند علماء اسے پسند نہ کرتے تھے حتیٰ کہ بدایونی نے اسے ملحد قرار دیا تھا۔۲۲ لیکن فیضی کے معاصر شعراء اس کا بے حد احترام و تکریم کرتے تھے۔ شاہ عباس اول (م۔ ۱۶۲۹ء) کا درباری شاعر علی نقی (۱۶۲۱ء) فیضی کا مداح تھا اور ظہوری ترشیزی (م۔۱۶۱۶ء) نے فیضی کی شان میں قصیدہ اور رباعیاں لکھی ہیں۔ فیضی کی تصانیف کی تعداد ۱۰۱ بیان کی جاتی ہے ۲۳ جن میں قرآن مجید کی تفسیر 'سواطع الالہام' ایک دینی رسالہ 'موارد الکلم' اور ریاضیات پر مبنی 'لیلاوتی' کا خصوصیت سے ذکر کیا جاسکتا ہے۔ ادبی اور شعری تصانیف میں خصوصیت سے اس کے دیوان کا ذکر کیا جاسکتا ہے جسے فیضی نے ۱۵۸۸ میں خود مرتب کیا اور اس کے دیوان کے مروجہ نسخے کے مرتب کا نام معلوم نہیں۔ اس میں بارہ ہزار سے زیادہ اشعار ہیں۔ فیضی نے خمسہ نظامی کی طرز پر پانچ مثنویاں لکھنے کا ارادہ کیا تھا جن میں دو مثنویاں 'نل و دمن' اور 'مرکز ادوار' مکمل ہوسکیں۔ تیسری مثنوی 'سلیمان و بلقیس' اور چوتھی 'اکبر نامہ' نامکمل رہیں۔ پانچویں مثنوی 'ہفت کشور' شروع کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ لطیفہ ٔ فیاضی فیضی کے مکتوبات اور نثری تحریروں کا تاریخی نام ہے۔ اس کے علاوہ فیضی نے 'بھگوت گیتا' کا منظوم ترجمہ فارسی میں کیا۔ علاوہ ازیں ہندو راجہ رانی کی مشہور کہانی 'نل و مینتی' جو سنسکرت میں تھی، سکراچاریہ کی تالیف اور مہابھارت سے ماخوذ ہے۔ اس کا منظوم فارسی ترجمہ کیا۔ کشمیری برہمن سوم دیو کی سنسکرت کی کتاب 'کتھا سرت ساگر' کا فارسی نثر میں ترجمہ کیا۔

ہندوستان کے فارسی شعراء میں فیضی کو امیر خسرو کے برابر کا درجہ حاصل ہے۔ فیضی خود بھی امیر خسرو کے قائل تھے لیکن ان کے پہلو بہ پہلو امیر حسن سنجری کے بھی۔

دگر از پیر من نظر جوئی
روح فیضی خسرو حسن است

فیضی کو اپنے ہندوستانی ہونے پر خود بھی ناز تھا:

ہندستانیم کہ بکلک طرزدی
افغان زطوطیان شکر خا بر آورم
گر نظم آبدار فرستم بہ ملک فارس
رود ارس زخاک مصلیٰ بر آورم

فیضی میں قدیم ہندستانی تہذیبی علامات، فکر و فلسفہ اور زندگی کے مثبت اثرات نظر آتے ہیں۔ ہند آریائی تہذیب کا مخلوط تصور ابھرتا ہے، خصوصاً ہندی نژاد علامات مثلاً دیر' فوس' بت' بت خانہ' سومنات' برہمن' وید' عورت' ستی' سوئمبر' عورت کی مرد پر فریفتگی وغیرہ وغیرہ۔ تحقیق مذہب کے متعلق اس کا نصب العین تھا:

از تجو بت چرا آرم سوی محراب رو
منکہ از یک سنگ دانم کعبہ و بت خانہ را

مختلف اصناف شاعری میں کلام فیضی آسمان کی بلندیاں چھوتا ہے۔ اس کے قصیدوں میں قدما کا رنگ' خاقانی کی طرح علوم کی اصطلاحات اور انوری کی طرح جذبات انسانی کے تاثرات ہیں۔ فیضی نے اکبر اعظم کے علاوہ کسی اور شخص کی مدح میں قصیدہ نہیں لکھا۔ اس کے قصائد میں توحید' نعت' منقبت' فلسفہ' تصوف' تہنیت اور فخر و ادعا کے مضامین ہیں۔ فیضی نے ایک مرثیہ بھی لکھا جو تاثرات سے لبریز ہے۔ فیضی کی مثنویوں کا اعتراف اس کا بدترین دشمن ملا عبد القادر بدایونی بھی کرتا ہے کہ اس کے مد مقابل گزشتہ تین سو برس میں ایسی مثنوی ہند میں امیر خسرو کے بعد شاید ہی کوئی لکھ سکا ہو۔ ۲۴ فیضی کی غزلیں نفاست زبان و بیان میں بے مثال ہیں حالانکہ اُن پر شیخ سعدی کے اثرات ہیں۔ سعدی پر حسن و عشق کا غلبہ رہتا ہے لیکن فیضی پر فلسفہ و حکمت کا رنگ غالب رہتا ہے۔

عرفی شیرازی (م۔ ۱۵۹۱ء) فارسی شاعری کی روایات کے ساتھ ہندستان وارد ہوا تھا۔ لیکن ہندستان آکر یہاں کے فارسی شاعروں میں فیضی' خان خاناں اور ابو الفتح گیلانی سے اتنا متاثر ہوا کہ ہندستان کے شاعر کی حیثیت حاصل کرلی۔ جس کو اہل ایران "شیوۂ فارسی ہندستانی" کہتے ہیں۔ اسے "سبک ہندی" کے ممتاز شعراء میں شمار کیا جاتا ہے۔ ۲۵ عرفی سرزمین ہند میں کشمیر جنت نظر کے حسن و جمال سے بے پناہ متاثر تھا، اس کا کہنا تھا:

ہر سوختہ جانیکہ بکشمیر درآید
گر مرغ کباب است کہ با بال و پر آید

عرفی نے فارسی نثر میں 'رسالہ نفسیہ' لکھا جس کا موضوع تصوف ہے۔ اس کی شعری

تخلیقات میں قصائد، غزلیات، مثنویات، رباعیات اور قطعات وغیرہ ہیں۔ دو مثنویاں 'مجمع الابکار' اور 'فرہاد وشیریں' نظامی گنجوی کی دو مثنویوں 'مخزن الاسرار' اور 'خسرو وشیریں' کے جواب میں ہیں۔ عرفی کا نظریہ عشق مولانا روم کا مرہون منت ہے جو اعتماد نفس اور خودی کے مراحل طے کر کے خود شناسی عطا کرتی ہے:

سر روحانیان داری ولی خود رند بد مستی
بجیب خود در آتا قبلہ روحانیان بنی

کلام عرفی میں ہندستانی معاشرتی وثقافتی عناصر نمایاں ہیں۔ قصیدہ 'بطور چیستان در مدح شمع بزم بادشاہ' میں شمع کو عروسان ہند سے تشبیہ دیتا ہے:

چون عروسان ہند در دم رقص
از خم گیسوش چکد روغن

اسی قصیدہ میں ملکی ماحول کی عکاسی بھی ہے:

چون شکر مشربان ہندوستان
چہرۂ زرتار و چرب پیراہن

اسلامی ہندی افکار کا باہمی امتزاج بھی ہے:

برسر مویش اگر بار شگافی بخرد
سومناتیست کہ چیدہ ست دولات وہبل

ایک مثنوی 'بت انجا عشق است وحدت' میں ہندی علامت 'سومنات' اور اسلامی علامت 'آتش طور' کا امتزاج ہے:

چراغ سومناتست آتش طور
بود و زد دشش جہت را نور در نور

نظیری نیشاپوری (م۔ ۱۶۱۴ء) جس کے قصائد میں دور اکبری کی خوبصورت اور رنگین تصویریں ابھرتی ہیں۔ اکبر اعظم کی فیاضی 'رعایہ پروری' درباری شان وشکوہ، فن موسیقی کی رنگینی کے پہلو بہ پہلو مسخروں اور بھانڈوں کی پھلجھڑیاں ہیں۔ اس نے اکبری دور کے جنگی مناظر' تاریخی واقعات' جشن وجلوس 'غرض کہ تہذیب وتمدن کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کیا ہے۔ خاص طور پر تسخیر دکن کے واقعات' فتح قلعہ انبیر اور انداز جنگ اکبری کے چشم دید واقعات لکھے۔ نظیری کو اکبر کے بعد جہانگیر کا درباری شاعر ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔

> ہندستان کے فارسی شعراء میں فیضی کو امیر خسرو کے برابر کا درجہ حاصل ہے۔ فیضی خود بھی امیر خسرو کے قائل تھے لیکن ان کے پہلو بہ پہلو امیر حسن سنجری کے بھی۔

ظہوری ترشیزی (م۔ ۱۶۱۶ء) اولاً احمد نگر میں مرتضیٰ نظام (نظام شاہ اول م۔ ۱۵۸۷ء) کے دربار سے وابستہ ہوا جس نے ایران سے دہلی آنے کے بجائے دکن میں سکونت اختیار کی اور ایک اور ممتاز فارسی شاعر ملک قمی (م۔ ۱۶۱۶ء) سے ملاقات ہوئی اور رفتہ رفتہ ملاقات گہری دوستی میں تبدیل ہوگئی۔ ۱۵۹۵ء میں دونوں ایک ساتھ بیجاپور آئے، جہاں ملک قمی نے اپنی بیٹی کی شادی ظہوری سے کردی جس سے دوستی قرابت داری میں تبدیل ہوگئی۔ دونوں میں مکمل اتحاد رہا۔ دونوں نے مشترک طور پر اپنے کلام کے مجموعے تیار کئے۔ نظامی کی مثنوی 'مخزن اسرار' کے جواب میں مثنویاں لکھیں جو اب نایاب ہیں۔ اس کی موجودگی میں مرتضیٰ نظام شاہ اول کے بعد شاہ ثانی تخت نشین ہوا جس پر ۱۵۹۴ء میں اکبری سپہ سالار عبدالرحیم خان خاناں نے حملہ کردیا حالانکہ قلعہ فتح نہ ہوسکا مگر ریاست کا پرسکون ماحول درہم برہم ہوگیا۔ ظہوری احمد نگر سے بیجاپور چلا آیا اور ابراہیم عادل شاہ (م۔ ۱۶۲۷ء) کے دربار سے وابستہ ہوگیا اور آخر عمر تک وہیں رہا۔ اس نے احمد نگر اور بیجاپور کے سلاطین وامراء کی مدح کے علاوہ اکبر اعظم' ابوالفضل' فیضی' شاہ فتح اللہ شیرازی' ابوالفتح گیلانی' مرزا عزیز کوکا اور مرزا یادگار کی مدح میں قصائد لکھے اور دربار مغلیہ سے انعام واکرام حاصل کئے۔[۲۶] ظہوری کے ادبی آثار میں اس کا دیوان ہے جو قصائد' غزلیات اور رباعیات پر مشتمل ہے، علاوہ بریں ساقی نامہ ہے جو نہ صرف اس کا شاہکار ہے، بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق یہ فارسی کا بہترین ساقی نامہ ہے۔[۲۷] کشمیری عالم میر شمس الدین عراقی (م۔ ۱۳۲۶ء) نے شیعی عقائد پر مبنی فارسی کتاب 'احوط' لکھی جو بعض مباحث کی بنا پر اختلافی رہی۔ کشمیری صوفیہ

میں سید علی ہمدانی (م۔۱۳۸۵ء) کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد ۱۰۱ بتائی جاتی ہے، جن میں ۸۲ دستیاب ہیں۔ ان میں چالیس سے زائد کتب و رسائل فارسی میں ہیں جن میں مجموعہ غزلیات' چہل اسرار ' اہم ہے۔ کشمیری فارسی شعراء میں بابا داؤ خاکی (م۔۱۵۸۸ء) شیخ یعقوب صرفی (م۔ ۱۵۹۴ء) حبیب اللہ حی نوشہری (م۔ ۱۶۱۷ء)، مظہری کشمیری (م۔ ۱۶۰۷ء) مہدی علی کشمیری لدنی (م۔ ۱۵۹۶ء) وغیرہ اہم ہیں۔ سلاطین چک میں یوسف شاہ (م۔ ۱۵۸۵ء) کا فارسی میں منظوم خط تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ ناظم کشمیر سکھ جیون مل کھتری (م۔ ۱۷۶۲ء) نے انجمن شعرائے فارسی تشکیل کی اور ملا لعل محمد توفیق (م۔ ۱۷۸۵ء) کو ملک الشعراء مقرر کیا اور اس کی سرکردگی میں مختلف شعرا کی مدد سے شاہنامہ کشمیر' فارسی میں منظوم کرنے کا منصوبہ بنایا۔[۲۸] کشمیری فارسی شعراء کا ذکر فانی کشمیری (م۔ ۱۶۷۲ء) کے بغیر تشنہ رہے گا جو صوبہ دار الہ آباد کے عہدہ پر فائز تھے۔ ان کی مثنویاں فارسی ادبی تاریخ کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔[۲۹]

عہد اکبری کے اہم نثری کارناموں میں، فن تاریخ کی کتابوں کا خصوصیت سے ذکر کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سب سے اہم ابو الفضل (م۔ ۱۶۰۲ء) کا اکبر نامہ ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے' پہلی جلد میں آغاز سے اکبر کی ولادت' حسب ونسب تیمور' بابر اور ہمایوں کا ذکر ہے۔ دوسری جلد میں اکبری دور کے واقعات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ آئین اکبری کو 'اکبر نامہ' کی تیسری جلد کی حیثیت سے الگ تصنیف کی حیثیت حاصل ہے حالانکہ یہ اکبر نامہ کا ہی ایک حصہ ہے۔ اکبر نامہ ثقافتی' تہذیبی اور ادبی قاموس کا درجہ رکھتی ہے۔ فن تاریخ کے علاوہ پورے فارسی ادب میں بے نظیر ہے۔ ابو الفضل اپنے اسلوب بیان میں بے مثل ہے جو بعد میں کسی کو حاصل نہ ہوا۔ الفاظ کی دروبست' جملوں کی ساخت اور تراکیب کی چستی کی بنا پر ممتاز ہے۔

اس دور کا سرمایہ انشاء لازوال ہے۔ ان میں سب سے اہم ملا ظہوری ترشیزی کا' دیباچہ' ہے جو 'سہ نثر ظہوری' کے نام سے مشہور ہے۔ پنج رقعہ' ظہوری کے پانچ خطوط کا مجموعہ ہے۔ ظہوری کا ایک مختصر رسالہ 'درانشاء' ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ظہوری کی نثر انشائے مرصع ہے، جس میں لاجواب ہے' بقول صاحب ماثر الامراء 'خمسہ نظامی' کو نثر میں ڈھال دیا ہے۔[۳۰] آئین اکبری میں عصری زندگی کے مختلف النوع پہلو مثلاً خانگی' علمی' مذہبی' معاشرتی' صنعتی' زراعتی اور اقتصادی حالات وواقعات کی تفصیلات اعلا درجہ کی تحقیقی نثر کا نمونہ ہیں۔ فیضی اور ابو الفضل کے دشمن ازلی ملا عبد القادر بدایونی (م۔ ۱۶۰۵ء) کی منتخب التواریخ کی نثر فقرہ بازی' ہجویہ انداز اور ہدف انگیز انداز بیان میں منفرد ہیں۔ اس کی تیسری جلد میں شعراء کے حالات اور نمونہ کلام درج ہے جو فارسی ادب کے مطالعہ میں اہم ہے۔ فن تاریخ پر مبنی فارسی کتب کے ذکر میں گلبدن بیگم (م۔ ۱۰۱۱ء) کا 'ہمایوں نامہ' اہم ہے جو سلیس اور سادہ فارسی نثر میں ہے۔

> عرفی شیرازی (م۔ ۱۵۹۱ء) فارسی شاعری کی روایات کے ساتھ ہندستان وارد ہوا تھا۔ لیکن ہندستان آکر یہاں کے فارسی شاعروں میں فیضی' خان خاناں اور ابو الفتح گیلانی سے اتنا متاثر ہوا کہ ہندستان کے شاعر کی حیثیت حاصل کرلی۔ جس کو اہل ایران "شیوۂ فارسی ہندستانی" کہتے ہیں۔ اسے "سبک ہندی" کے ممتاز شعراء میں شمار کیا جاتا ہے۔

استعارہ در استعارہ تراکیب' توامی اضافت' تجانس اور صنائع بدائع کی کثرت ہے۔ ابو الفضل کے مکتوبات' مکاتبات علامی' کے نام سے مشہور ہیں۔ موزوں الفاظ کا انتخاب' مرادفات' تشبیہات و استعارات کا بہ کثرت استعمال اور مقفی و مسجع فقرات کے علاوہ صوتی آہنگ' موزونیت اور تاثیر بیان بے مثل ہے۔ ابو الفضل کے طرز انشاء کے متعلق شاہ بخارہ عبد اللہ اکثر کہا کرتا تھا کہ وہ اکبر اعظم کے تیروں سے اتنا نہیں ڈرتا' جتنا ابو الفضل کے قلم سے۔[۳۱] فیضی کی انشائی تحریروں کا مجموعہ "لطیفہ فیضی' میں صنائع بدائع' تشبیہات واستعارات اور مرصع نگاری نہیں ہے لیکن تاثر' سادگی وپرکاری کی خوبیوں سے مالا مال

ہے۔ 'مکتوبات ربانی' شیخ احمد سرہندی کے ۳۲ مکتوبات کا مجموعہ ہے جو تین جلدوں میں شائع ہوئے۔ ان مکتوبات کا مقصد اکبر اعظم کے نظریہ صلح کل کی مخالفت 'تصوف میں وحدت الوجود کی بجائے وحدت الشہود کے نظریے کی تبلیغ وغیرہ ہے۔ اس پر تصوف کے ضمن میں روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ اس دور کے دیگر نثر نگاروں میں حکیم ابوالفتح گیلانی 'اور شاہ فتح اللہ شیرازی کا نام خاص طور پر لیا جاسکتا ہے۔ عبدالرحیم خان خاناں علم وفضل میں ممتاز تھا۔ ترکی 'فارسی 'عربی اور ہندی زبانوں کا ماہر ادیب تھا۔ اکبر اعظم کی فرمائش پر اس نے توزک بابری 'کا فارسی میں ترجمہ کیا شعراء' فضلاء وامراء کا زبردست قدرداں تھا۔ ایک موقع پر نظیری نیشاپوری کو ایک لاکھ روپے بطور انعام عطا کئے۔ تقیای شوشتری نے ایک دن کہا کہ اس نے بارہ ہزار روپے نہیں دیکھے 'اس کے حسن طلب پر بارہ ہزار روپے عطا کئے۔ میر رفیع الدین حیدر کو پچاس ہزار مرحمت کئے 'اس طرح متعدد واقعات ماثر رحمی میں درج ہیں ۳۲۔ فیضی نے ایک قطعہ میں خان خاناں کی فیاضی پر دلچسپ تبصرہ کیا ہے:

خان خاناں عہد نفائش
طبع را بہ خصت شگفتن داد
داشت چون اعتماد ہر شعراء
صلہ پیش از مدیحہ گفتن داد

دیگر انشاء نگاروں میں خواجہ حسین ثنائی اور عماد خاں کے نام ملتے ہیں۔

دور اکبری میں شعراء کے حالات پر مشتمل تذکرہ 'نفائس المآثر' میر علاء الدولہ کامی نے ۱۵۷۵ء میں تالیف کی۔ اس تذکرے میں بابر سے اکبر تک کے مختلف لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کی تاریخی اہمیت ہے۔ محمد عارف بقائی نے 'مجمع الفضلاء' اور عارف الآثار' میں اہل علم اور شعراء کے حالات درج کئے ہیں۔ سید علی بن محمود نے ۱۵۹۱ء میں ' بزم آرائی' لکھ کر اپنے ولی نعمت

> کشمیری صوفیہ میں سید علی ہمدانی (م۔۱۳۸۵ء) کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد ۱۰۱ بتائی جاتی ہے، جن میں ۸۲ دستیاب ہیں۔ ان میں چالیس سے زائد کتب ورسائل فارسی میں ہیں۔

عبدالرحیم خان خاناں کے نام منسوب کیا۔ نور جہاں کے باپ اعتماد الدولہ کے چچیرے بھائی امین بن احمد رازی نے ۱۵۹۳ء میں 'ہفت اقلیم' لکھا۔ تقی الدین محمد ذکری معروف بہ تقی کاشی نے 'خلاصۃ الاشعار و زبدۃ الافکار' ۱۵۷۷ء سے ۱۵۸۵ء کے درمیان لکھا اور بیجاپور کے سلطان ابراہیم عادل شاہ (م۔ ۱۶۲۷ء) کے نام معنون کیا۔ محمد صوفی ماژندرانی معروف بہ ملا صوفی (م۔۱۶۲۵ء) نے ۱۶۰۱ء میں ۴۵ ہزار اشعار پر مشتمل، ایک مجموعہ اشعار مرتب کیا اور اس کا نام 'خلاصۃ الشعراء وبت خانہ' رکھا۔ شعرائے بت خانہ کے حالات عبداللطیف عباسی نے بھی 'خلاصۃ الاحوال شعراء کے نام سے لکھے۔ عہد اکبری میں علمی 'مذہبی اور تاریخی کتابوں کے علاوہ سنگھاسن بتیسی' کا ایک ترجمہ عبد القادر بدایونی نے 'خرد افروز' کے نام سے کیا تھا۔ اس کے دو اور ترجمے اکبر کے حکم سے ہوئے جس کا نام اکبر نے 'شاہنامہ' رکھا۔ سنگھاسن بتیسی' کا ایک اور ترجمہ اکبر کے حکم سے منشی سید مظفر ابن سید ہاشم الحسینی نے کیا۔

اکبر اعظم کے جانشین جہانگیر (م۔۱۶۲۸ء) کو باکمال اساتذہ سے تعلیم وتربیت حاصل ہوئی تھی۔ اس کا کارنامہ 'توزک جہانگیری' سوانحی ادب کا شاہکار ہے۔ اس نے 'توزک بابری' میں بھی بعض اہم اضافے کئے۔ جہانگیر شعر وشاعری کا صاف ستھرا ذوق رکھتا تھا۔ شاعری میں فیضی کا شاگرد تھا ۳۳ اس کے اشعار مختلف تذکرہ نگاروں نے نقل کئے ہیں۔ فی البدیہہ شعر کہنے میں اُسے مہارت حاصل تھی۔ ۳۴ فن عروض سے کماحقہ واقف تھا ایک بار کسی شاعر نے اس کی مدح میں قصیدہ پڑھا جس کا پہلا مصرعہ تھا: 'اے تاج دولت برسرت از ابتدا تا انتہا'

جہانگیر کے ذہن نے فوراً تقطیع کر ڈالی 'دولت برسرت' کے رکن پر بچھرا تھا: عروض جانتے ہو؟ شاعر نے لرز کر جواب دیا نہیں جانتا'

جہانگیر ہنس پڑا اگر تم عروض جانتے ہوتے تو میں تمہارا سر قلم کر دیتا۔۳۵ جہانگیر کو اچھے اشعار سے رغبت تھی۔ اپنے تزک میں جابجا اشعار نقل کیے ہیں۔ خواجہ حافظ شیرازی سے جہانگیر کو بے پناہ عقیدت تھی۔ مختلف موقعوں پر دیوان حافظ سے فال نکالتا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ میں اکثر اپنی مشکلات کا جواب خواجہ حافظ شیرازی کے دیوان سے حاصل کرتا ہوں 'بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ نتیجہ' فال کے جواب سے مختلف ہو۔۳۶ جہانگیر فارسی کی نئی ترکیبیں وضع کرنے میں خصوصی دلچسپی رکھتا تھا۔ 'قصد کردن' کو 'سبک شدن' کہتا تھا۔ 'سنگترہ' کے لئے 'رنگ ترہ' کا لفظ وضع کیا۔ 'شراب' کو 'رام رنگی' کہتا تھا۔ طالب آملی نے بھی یہ اصطلاح استعمال کی ہے:

نہ ایم منکر صہباد لیک می گویم
کہ رام رنگی ما نشہ دگر دارد

طالب آملی (م۔ ۱۶۲۵ء) جہانگیر کا ملک الشعراء تھا جس کو جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کی ۱۴ ویں سالگرہ کے موقع پر ملک الشعراء کا منصب عطا کیا تھا۔ کلام طالب میں تشبیہ' استعارہ اور کنایہ پر زور ہے۔ استعارہ کو شعر کا لازمی جزو قرار دیتا ہے:

سخن کہ نیست درو استعارہ نیست ملامت
نمک ندارد شعری کہ استعارہ ندارد

طالب ہندی کلمات کا زیادہ استعمال نہیں کرتا لیکن ہندستان کے موسموں سے متاثر تھا۔ گجرات کی برسات دیکھی تو کہہ اٹھا:

در حسرت لعل تو زبند مژہ طالب
چندان یمنی ریخت کہ گجرات یمن شد

اجمیر کا سبزہ زار دیکھ کر پکار اٹھا:

طالب زسبز گلشن اجمیر چون نسیم
مگذر' خیال کن کہ بہ آمل نشستہ ایم

اور کشمیر جنت نشان کے جلووں سے مبہوت ہو گیا:

> ابوالفضل کے مکتوبات 'مکاتبات علامی' کے نام سے مشہور ہیں۔ موزوں الفاظ کا انتخاب 'مرادفات' تشبیہات و استعارات کا بہ کثرت استعمال اور مقفی و مسجع فقرات کے علاوہ صوتی آہنگ' موزونیت اور تاثیر بیان بے مثل ہے۔ ابوالفضل کے طرز انشاء کے متعلق شاہ بخارہ عبداللہ اکثر کہا کرتا تھا کہ وہ اکبر اعظم کے تیروں سے اتنا نہیں ڈرتا' جتنا ابوالفضل کے قلم سے۔

بیا کہ مجمع خوبان دلربا اینجاست
کرشمہ باہمہ اینجا و نازہا اینجاست
قدم زنقطہ کشمیر برنمی گیرم
مقیم مرکز عیشیم وجای ما اینجاست۔

(باقی آئندہ)

حوالے:

۱۹۔ امین احمد رازی: ہفت اقلیم ص ۴۱۷

۲۰۔ ابوطالب اصفہانی: خلاصۃ الافکار

۲۱۔ تقی اوحدی: عرفات العاشقین ص ۵۲۰

۲۲۔ منتخب التواریخ: ج ۲ ص ۲۹۶

۲۳۔ میر غلام علی آزاد: سرو آزاد ص ۲۱۵ شاہنواز خاں' میر عبدالرزاق: ماثر الامراء ج ۲ ص ۳۵ (کلکتہ ۱۸۸۹ء)۔ بختاور خاں: مراۃ العالم ص ۵۱ (لاہور)

۲۴۔ منتخب التواریخ۔ ج ۲ ص ۳۹۶

۲۵۔ رضازادہ شفق: تاریخ ادبیات ایران ص ۳۰۷

۲۶۔ نذیر احمد: ظہوری ص ۱۰۰

۲۷۔ محمد افضل سرخوش: کلمات الشعراء ج ۴ ص ۲۷

۲۸۔ عبدالقادر سروری: کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ ص ۱۰ تا ۲۵۔

۲۹۔ عراق رضا زیدی: مثنویات فانی کا تنقیدی جائزہ۔ ص ۳۴۱ (بریلی ۱۹۹۴ء)

۳۰۔ ماثر الامراء ج ۲ ص ۲۴

۳۱۔ تاریخ ادبیات پاکستان و ہند ج ۴ (۲) ص ۸۱

۳۲۔ عبدالباقی نہاوندی: ماثر رحیمی ج ۴ ص ۶۸۱' ۶۲۲' ۶۹' ۵۰ (کلکتہ ۱۹۲۴ء)

۳۳۔ شبلی نعمانی: شعر العجم۔ ج ۳ ص ۱۴۸ (اعظم گڑھ ۱۹۴۵ء)

۳۴۔ تزک جہانگیری ص ۳۰۳

۳۵۔ محمد افضل سرخوش: کلمات الشعراء ص ۳۲

۳۶۔ تزک جہانگیری ص ۲۴۵

☆☆☆☆☆